جناب سید ہاشمی فرید آبادی

قدیم لاہور

کتاب الہند (البیرونی) میں اشارۃً اور آداب[1] الحرب (فخر مدبر) میں صراحۃً منقول ہے کہ نویں صدی عیسوی (قرن سوم ہجری) کے اواخر میں "لاہور" ایک جداگانہ ریاست کا نام تھا جو بیاس تا چناب پھیلی ہوئی تھی۔ اس ریاست کے راجہ ایسے غیر معروف رہے کہ ان کا اور ان کے خاندان کا نام تک مشتبہ ہو گیا۔ مگر اتنا واضح نظر آتا ہے کہ ان کا اوہند یا گندہارا کے ہندو شاہیوں سے کوئی رشتہ نہ تھا۔ انہوں نے جہاں بیاس کے کنارے بعض بستیاں بسائیں ایک راوی کے کنارے "لوہور" آباد کیا۔ پھر بقول آداب الحرب، خاندان کے دوسرے اور سب سے اقبال مند راجہ بہرت نے لوہور کو سورج[2] دیوتا کا مندر بنا کے چار چاند لگائے۔ صاحب آداب الحرب نے اس مندر کے آثار دیکھے، اور پتہ دیتا ہے کہ یہ مندر وہاں تھا جہاں اب (ربع اول قرن ہفتم ہجری میں) "مسجد حبشی"[3] بنی ہوئی ہے۔ خاندان کے تیسرے راجہ نے لاہور کا قلعہ بنوایا۔ آداب الحرب نے اس مقام کی بھی نشان دہی کی ہے۔ مگر ہماری اب کچھ رہنمائی نہیں کر سکتی۔ ادہر اس زمانہ میں گشان خاندان کی قدیم سلطنت سکڑتے سکڑتے "گندہارا" (یعنی جہلم سے حدود کابل تک اور کشمیر کے جنوبی پہاڑیوں سے ملک سندھ کے ریگستان تک) محدود ہو گئی تھی۔ ساتویں صدی عیسوی میں "ہوئیں چونگ" چینی درویش نے اس خاندان کو "ترکی شاہی" کے لقب سے یاد کیا۔

دوسری تاریخوں میں صرف "شاہی" آتا ہے۔ ان کا دارالحکومت ویہند (اوہند یا کشمیر کی راج ترنگنی میں "اودھا ہندا پورہ") پشاور سے کوئی تیس میل شمال مشرق کی طرف موجودہ ضلع مردان میں بستا تھا۔ اب "ہنڈ" کے نام سے اس کے کھنڈر گذشتہ عظمت کا مرثیہ سناتے ہیں۔ "ترکیوں" سے ان کے برہمن وزیر نے حکومت اچک لی جیسا کہ ہندوستان میں اکثر ہوا ہے۔ البیرونی نے ان نئے راجاؤں کو "ہندو شاہیہ" کا امتیازی نام دیا ہے۔ ڈاکٹر باقر صاحب کو اصرار ہے کہ آگے چل کر چالاک

---

[1] اس تصنیف اور مصنف کا حال ذرا تفصیل سے کسی آئندہ اشاعت میں نظر سے گزرے گا۔

[2] سورج کے لئے سنسکرت میں "راوی" بھی آتا ہے۔ ممکن ہے مندر اس نام سے اور لاہور کی ندی، مندر کے نام سے موسوم ہو۔ اگرچہ ندی کے نام کو "ایراوتی" سے مستخرج بتایا جاتا ہے۔

[3] ڈاکٹر محمد باقر نے اسے "خشتی مسجد" لکھا ہے (صلا)، موصوف کے سامنے متحف برطانیہ کا خطی نسخہ تھا۔ ہم نے اس کی عکسی نقل مخزونہ کتب خانہ پنجاب یونی ورسٹی (ورق ۱۴۳) پر حصر کیا۔

برہمن کے جانشین جنجوعہ راج پوت ہوگئے تھے۔ جے پال انہی کے اخلاف میں تھا جس نے غزنی کے ترکوں سے لڑائی مانگی۔ پھر شکست کھائی۔ اور پشاور تک آدھی مملکت گنوائی تھی۔ آداب الحرب کی بیش قیمت اگرچہ نادر تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جے پال نے اس نقصان کی تلافی یوں کی۔ کہ کمزور دیکھ کر لاہور والوں پر چڑھ دوڑا۔ اور ان سے خراج وصول کیا۔ پھر دوسرے حملے میں ساری ریاست چھین لی۔ ہمارے اس واحد راوی کے بقول یہ شکمی انقلاب ۳۸۹ھ رم ۹۹۹ء میں ظہور پذیر ہوا۔ (آداب الحرب ۱۲۳)

اُردو زبان کا محاورہ شرم سے ڈوب مرنا آتا ہے، مگر کہتے ہیں جے پال نے اپنی ہر بار کی ہار اور جذیہ دے کر چھوٹنے کا داغ اس طرح دھویا کہ چتا میں بیٹھ کر جل مرا۔ بیٹا انند پال فاتح لاہور جو اس نئے مقبوضہ کا والی بنایا گیا تھا، اب ویہند میں باپ کا جانشین ہوا۔ اور چند سال میں غزنی سے ایک بڑی جنگ لڑنے کی تیاریاں کیں۔ جس میں کئی باہر کے ہندو راجہ اور جنگلی کھوکروں کی فوجیں انند پال کی حلیف تھیں۔ دریائے سندھ کے پار ویہند کے قریب ترک مجاہدین سے خونریز معرکے پڑے۔ محمود کو فتح ہوئی۔ بھاگنے والے ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ بظاہر اس فیصلہ کن جنگ نے راجہ کو ویہند چھوڑنے پر مجبور کیا۔ سندھ پار کا سارا علاقہ غزنی کا نیا صوبہ بن گیا اور اس کا دارالحکومت پشاور (پرشور، فرشور) قرار پایا۔ انند پال نے ہٹ کر نندنہ (یا نندونہ) میں ٹھکانا بنایا جس کا دفاعی مورچہ نمک کی پہاڑیاں تھیں۔ عقب میں کشمیر کے پہاڑ پُشت پناہی کرتے تھے۔ لیکن انسان کے عزم وسعی کے مقابلے سے دریا اور پہاڑ سب عاجز ہیں۔

گرزِ محمودی کی پیہم ضربات نے قدرتی اور مصنوعی استحکام توڑ ڈالے۔ انند پال کی وفات اور اس کے بیٹے ترِی لوچن پال کی مسند نشینی کو زیادہ دن نہ گذرے تھے، کہ غزنوی سیلاب کی موجوں نے نمک کے پہاڑ گھلا دئے۔ اور تند و تیز محاصرہ کے بعد اپنے دیرینہ حریف کا نیا پائے تخت ہاتھ مروڑ کے چھین لیا۔ یہ زبردست قلعہ جہلم کے کنارے موجودہ خوشاب کے قریب واقع تھا۔[۵] اگرچہ سنین میں اختلاف ہے، لیکن ہم عصر اور بعد کی اکثر فارسی تاریخوں میں اس فتح کو خاص دھوم دھام سے بیان کیا ہے۔ اور یہاں کے نئے قلعہ دار سارُوغ کا بھی ارکان وعمائد سلطنت کے ساتھ تذکرہ آتا ہے۔ حقیقت میں نندونہ کا حصن حصین فوج اور ذخائر سمیت کیا ہاتھ سے گیا، کہ ہندو شاہی حکومت کے پائے اُکھڑ گئے۔ (۴۰۴ھ/۱۴-۱۰۱۳ء)

اس کے وارث پھر کہیں قدم نہ جما سکے اور یہ روایت کہ اُنہوں نے آخر میں لاہور کو راج دھانی یا مامن بنایا، بعد کی قیاس آرائی معلوم ہوتی ہے۔ راجہ ترِی لوچن پال کو ہم آیندہ کشمیر کے سرحدی پہاڑوں میں سرگردان اور کشمیر کے حکمرانوں سے امداد کا خواہاں دیکھتے ہیں۔ سابقہ دارالحکومت ویہند کی دولت ضرور کافی مقدار میں نندونہ کو منتقل کرلی گئی تھی۔ اس قلعہ کے ساتھ اب وہ سب مجاہدین غزنی کا مالِ غنیمت بنی۔ خود راجہ بچ کر نکل گیا۔ مگر اس کی فوج کا بڑا حصہ نندونہ میں محصور تھا اس نے ہتھیار ڈال دئے۔ غنائم کی فہرست میں کئی سو جنگی ہاتھی، بہت سے اونٹ گھوڑے، کثیر زر و جواہر، بیش بہا ساز و سامان ہاتھ آنے کی

---

[۵] ایک مدت کے بعد یہ قلعۂ فاخرہ ملبے کا ڈھیر رہ گیا۔ اسی کو مقامی لہجے نے "ٹِلّا" موسوم کیا۔

خوش خبریاں تحریر ہیں۔

تری لوچن پال اس نقصانِ کثیر کی تلافی نہیں کر سکا اور جہاں تک ہم اندازہ کر سکتے ہیں لاہور اُن دنوں مالی یا دفاعی اعتبار سے ایسی پشتیبانی کے قابل نہ تھا کہ غزنی کے سیلِ بے پناہ کو روک لیتا۔

غرض چند سال تک کوہستان سوالک میں ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد "ہندو شاہی" پنجاب سے رخصت ہوگئی۔ راوی کے کنارے مُسلم شاہی نے اپنی نئی بستی آباد کی۔

پُرانا شہر۔ وہ قطعۂ ارض جہاں لاہور نے سر اُبھارا، آس پاس کی زمین سے قدرے اُبھرا ہُوا ہے۔ اسے آیندہ سربلندی کا شگون کہہ سکتے ہیں۔ قریب ہی راوی نے گود پھیلائی اور شمال سے بل کھا کے مغرب کی طرف بہ گئی ہے۔ سطحِ بحر سے یہ مقام کوئی آٹھ سو فیٹ اونچا، ۳۱° ۳۴' عرض بلد شمالی اور ۷۴° ۲۰' طول بلد مشرق پر واقع ہے۔ ایک مستشرق یہ جتائے بغیر نہ رہ سکا، کہ قریب قریب اسی عرضِ بلد پر پہلے عالمِ اسلامی کا ایک اور بزرگ شہر قاہرہ آباد کیا گیا تھا۔[1]

یہ سُراغ چلانا محال ہو گیا ہے، کہ مسلمانوں کی آمد کے وقت شہری آبادی کہاں اور کتنی تھی؟ "سورج کے مندر" اور ایک قلعہ کا اوپر مذکور ہُوا، مگر ان کا محلِ وقوع کبھی کا ماضی کے اُفق میں ڈوب چکا ہے۔ اس قیاس کی بنیاد کہ ہندو لاہور موجودہ اچھرے میں بستا تھا، چند پُرانے آثار یا ان کے ناموں پر اُٹھائی گئی تھی۔[2] یہ دلیل کہ کسی زمانے میں شہر کو "اچھرا لاہور" کہتے تھے، قیاس کو سہارا دیتی ہے لیکن تحریری شہادت اور زمانی تعین کے بغیر زبانی روائتیں تاریخ کے بازار میں افواہِ عام سے زیادہ قیمت نہیں رکھتیں۔

سچ پوچھیے تو مقام کا نہ ملنا کچھ حیرت کا مقام نہیں۔ کیونکہ عہدِ اسلامی سے قبل خود نام غائب ہے۔ قدیم ہند ادب خواہ افسانوی ہو یا مذہبی جیسا اور جتنا کچھ ہاتھ آسکا، لاہور کے ذکر سے خالی ہے۔

یونانی[3] اہلِ علم سکندر کے زمانے سے ہندوستان، خصوصاً شمالی ہند سے، خاصی شناسائی بہم پہنچاتے ہیں۔ اِسترابو۔ پلینی اور بطلیموس کے جغرافیوں میں باختر سے پاٹلی پتر تک قدیم شاہ راہوں اور مشہور منزلوں کا سُراغ ملتا ہے، لاہور کا کہیں نام نہیں آتا، حالانکہ ان کے انگریز مترجم و شارح یقین رکھتے ہیں کہ سکندر یونانی کے لشکر نے لاہور کے کہیں قریب ہی سے

۱۔ انسائی کلوپیڈیا بریٹانکا۔ نیز دیکھیے اِمپی رئیل گزیٹیر بذیل "لاہور"

۲۔ یعنی بھیروں کا مندر "اور" چاند رات" دیکھیے محمد لطیف کی انگریزی کتاب لاہور۔ طبع ۱۸۹۲ء ص ۳۰ نیز ڈسٹرکٹ گزیٹیر لاہور ۱۹۱۶ء ص ۲۶

۳۔ شہر کی وجہ تسمیہ کہ اسے راجندرجی کے کسی بیٹے "لو" نے اپنے نام پر آباد کیا محض افسانہ ہے جس کی روایت کا سلسلہ بھی "خلاصۃ التواریخ" (تالیف ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء) سے آگے نہیں چلتا۔ سنسکرت میں "لو" بہ معنی کھیت کاٹنا وغیرہ اور لوہ = لوہا، دونوں بامعنی لفظ تھے۔ کسی خیالی شخصیت کے بجائے ان سے "لوہور" کا تسمیہ منسوب کرنا ہمارے نزدیک زیادہ قرینِ عقل ہوگا۔

راوی کو عبور کیا تھا۔ طرفہ تر یہ کہ چینی فاضل ہوئین چوئنگ جس نے ساتویں صدی عیسوی میں کئی برس ممالک ہند کی سیاحت کی، گرد و پیش کے کئی مقامات (سانگلا، جلندھر وغیرہ) کا حال سناتا ہے، لاہور کا لفظ منہ سے نہیں نکالتا۔

کشمیر و راجپوتانہ کے بعض "وقائع" میں لاہور کا بہ حیثیت ایک ملک یا ریاست نام آتا ہے۔ اور لطیف کے بقول وہاں کے بعض راجپوت خاندان اپنے بزرگوں کا نکاس لاہور سے بتاتے ہیں۔

لیکن[۱] یہ سب روایات بعد کی باتیں ہیں۔ ہمیں خواہی نخواہی مسلمانوں کے روشن دور میں آنا اور انہی کی قریب العصر کتابوں کا آسرا ڈھونڈنا پڑے گا۔ ان میں کتاب الہند (بیرونی)، زین الاخبار (گردیزی)، تاریخ بیہقی پانچویں صدی کے نصف اوّل یعنی سلاطینِ غزنوی کے عہدِ اقبال میں تالیف ہوئی تھیں[۲]۔ ان میں بعض جگہ "ولایت لوہور" کا اس طرح مذکور ہے۔ گویا یہ پورے صوبے یا ملک کا نام تھا۔ مغالطے کا ایک سبب یہی ہوا کہ (قلعہ) "مندکگور" کو کہیں کہیں دارالملک یا دارالحکومت لوہور لکھ دیا ہے۔ (مثلاً بیہقی، ص ۲۲۳ کتاب الہند[۳])۔ بعد کی تاریخوں میں ہمارے شہر کا ایک اور "قلعۂ لہور" سے بھی التباس ہو گیا جو کشمیر کی سرحد کے قریب وادیٔ سندھ میں واقع تھا۔ اور بیرونی اسے قلعہ راج گری کے ساتھ نہایت مضبوط قلعہ بتاتا ہے۔[۴] غالباً یہی سرحدِ کشمیر کا لہور بعض متون میں لوہ گر۔ لوہ کوٹ اور لوہر کوٹ کا روپ بدل کر سامنے آتا ہے۔

مندکگور۔ محمود پور؟ "مندگگور" (متبادل، مندھکور، مندھاکھکور) اس لئے زیادہ تعلیمات کا باعث ہوا کہ عہد مسعود اوّل کے بعد اس کا نام و نشان محو ہو جاتا ہے۔ پانچویں صدی کے متاخر شعرا یا بعد کے مصنف بھول کر بھی اسے یاد نہیں کرتے غور کرنے سے ہم اس کی وجہ تسمیہ سمجھ سکتے ہیں کہ کھوکھر کی جمع "گکوز" بنائی گئی تھی۔ گویا وادیٔ جہلم کے ان جنگلوں کو عربی جامہ پہنا کر مجلس ادب میں لائے تھے۔

منڈ یا منڈا، کو زمانہ حال کی "منڈی" سمجھئے، اور اگر کھوکھروں کی ایسی کوئی منڈی یا بازار احاطہ بند کی گئی ہو تو یہ بھی کوئی دور از دستور بات نہ ہو گی۔ آخر میں خاص ورق فرسائی کے بعد تصدیق ہوئی کہ لاہور کی پرانی بستی کے ساتھ یہ اس کا قلعہ یا قلعہ بند مقام تھا جس میں حکومت کے دفاتر، خزانہ وغیرہ رہتا تھا۔[۵]

ایڈورڈ ٹامس جس نے قبل از مغل مسلمان بادشاہوں کے سکے بڑی محنت سے جمع اور مطالعہ کئے، اپنی مشہور کتاب

۱ه کتاب مذکور صفحہ ۲

۲ه کتاب الہند، طبع سخاو۔ لندن ۱۸۸۷ء۔ تاریخ بیہقی (عہد سلطان مسعود ابن محمود) طبع ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ۔ زین الاخبار (جز) طبع محمد ناظم، برلن سنہ ۱۹۲۸ء

۳ه قلعہ راج گری غرجوبہ (کشمیر) و قلعہ لہور عن غربہ، مارایت احصن منہما ص ۱۰۲ نیز ترجمہ انگریزی سخاو ج ۱، ص ۲۰۸

۴ه سخاو ترجمہ کتاب الہند جلد ۲ صفحہ ۳۴۱۔ حاشیہ بحوالہ قانون مسعودی از بیرونی۔

"کرانکلز اوف دی پٹھان کنگز اوف ڈیلہی" میں مندکگور یا مندھکور کو "محمود پور" کی بگڑی ہوئی صورت قرار دیتا ہے۔ محمود کے
محمود پور میں ضرب کئے ہوئے کئی سکے[3] متحف برطانیہ اور لاہور کے عجائب خانے میں بھی محفوظ ہیں۔ ان پر خلیفہ وقت القادر
باللہ اور یمین الدولہ (سلطان) محمود کا نام اور ۴۱۸ء، ۴۱۹ھ سن ثبت ہے۔ ماہر اثریات جنرل کیننگ ہم جس نے بڑی کد
کاوش سے ہندوستان کا قدیم جغرافیہ لکھا۔ قیاس کرتا ہے کہ مسلمانوں نے فتح کے بعد لاہور کا قلعہ بنوایا۔ اور اس کا نام محمود پور
تجویز کیا تھا جو متروک ہو گیا۔ محمد لطیف مرحوم کے نام ایک خط میں بھی تکرار کی ہے کہ یہ نیا قلعہ محمود کے مشہور جاں نثار غلام
ابوالنجم ایاز نے تعمیر کرایا تھا[1]۔ ایاز کا لاہور میں کوئی نیا قلعہ بنوانا بعید از قیاس نہیں، مگر جیسا کہ ہم جانتے ہیں، وہ آٹھ دس
برس بعد (۴۲۷ھ = ۱۰۳۶ء) لاہور بھیجا گیا تھا[2]۔ اس کے زمانہ میں یا آئندہ "محمود پور" کا نام کسی کتاب یا کتبے میں نہیں ملتا۔ حالا
قریبی عہد یعنی سلطان مودود، متوفی ۴۴۱ھ، و فرخ زاد بن مسعود اوّل کے چند لاہور کے مضروبہ سکے سلامت ہیں[3] جن پہ
"لوہور" ہی نقش ہے:

اڈ ہرٹامس نے اپنے قول کے توضیحی دلائل نہیں پیش کیں، باریک بینوں کو الجھن میں ڈال دیا[4]۔ ورنہ یہی بات اگر رخ بدل کر
کہی جائے تو شاید اس کی چول بیٹھ جائے گی۔ البیرونی اور بیہقی کی تحریروں سے واضح ہے کہ مندکگور، خود لاہور کا یا اس کے
قلعے کا نام تھا اور اس سے دار الحکومت کا کام لیا جاتا تھا یعنی اس کے احاطے میں سرکاری دفاتر قائم کئے گئے تھے۔

قرینہ کہتا ہے کہ شروع میں اسی بے ڈھنگے نام کو بدل کر محمود پور تجویز کیا گیا۔ اور چند ابتدائی سنین میں اس کے دار الضرب
سے وہ سکے مضروب ہوئے جن پر صاف صاف محمود پور تحریر ہے۔ لیکن چند ہی سال میں جب قبضہ کرنے والوں نے کوئی
نیا قلعہ اور جدید ایوانِ حکومت بنا لئے، تو وہ ٹکسال بھی بدل گئی۔ پھر شہر کے عام فہم نام "لوہور" کی شہرت میں محمود پور دب کر
متروک ہو گیا۔ جس طرح کچھ پہلے مندکگور کے منہ پر محمود پور کا برقع اوڑھا دیا گیا یہ روایت کہ لاہور ہی کو سلطان محمود نے بسایا
غالباً سبحان رائے کی خلاصۃ التواریخ سے چلی جس کا ایک غیر معقول قطعۂ تاریخ بھی نقل کیا گیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سلطان محمود اعظم کے پچاس برس بعد اس کا ایک پوتا شہزادہ سیف الدولہ محمود لاہور میں اپنے

---

[1] تاریخ پنجاب اردو از ڈپٹی محمد لطیف ای آئی سی صفحہ ۱۸ و ۱۹

[2] غالباً اسی بنا پر ڈاکٹر محمد ناظم جنہوں نے سلطان محمود پر تحقیقی مقالہ انگریزی میں لکھا، کننگ ہم کا قول قبول نہیں کرتے۔

[3] سکہ جات مخزونہ متحف لاہور۔ دیکھئے محمد لطیف کی انگریزی کتاب لاہور صفحہ ۳۹۸ و ۳۹۹

[4] ڈاکٹر محمد باقر نے اس قول کی تنقید میں کئی صفحے لکھے ہیں: لاہور پاسٹ اینڈ پریزنٹ صفحہ ۱۵ تا ۱۷۔ ان کا بیان ہے کہ لاہور
سکوں پر سن درج نہیں ہے۔ لیکن ایڈورڈ ٹامس نے اپنی کتاب مذکور کے حاشیہ صفحہ ۴۸ پر اندنی ذخیرے کے ایک نقرئی دو
کندہ (دوڈکٹ) نقش چھاپا ہے جس میں سنہ ثمان عشرہ و اربعمایۃ کی صراحت شبہ کا شائبہ تک نہیں چھوڑتی۔

باپ سلطان ابراہیم غزنوی کی طرف سے نائب السلطنت ہو کر آیا۔ شہر نے اس کے زمانے میں بڑی ترقی اور وسعت پائی۔ تاریخ نے ظلم کیا کہ اس شہزادہ کا نام تک بھلا دیا۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے زمانے میں بانئ شہر لاہور کہلاتا ہو، بعد والوں نے اس کے نام کو بھی پردادا یعنی سلطان محمود سے منسوب کر دیا! شہزادہ موصوف کے حالات ہم نے تیسرے باب کی فصل دوم میں جمع کئے ہیں۔

اس ضمن میں پرانے نام اور مقام کی نسبت چند کلمے اور لکھنے رہ گئے ہیں :-

ہمارے زیر نظر عہد میں مسلمان شعراء اور مؤرخین اسے عموماً (لہور) لوہور یا لہاور (لہا وور) موسوم کرتے ہیں۔ بیہقی کی جو تاریخ سلامت رہی اس کے آخر میں ایک جگہ "لاہور" لکھا ہوا ملا۔ (صفحہ ۸۲۹ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے اس مطبوعہ نسخے میں بہت غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی یہاں سہوِ کتابت یا مصحح کا تسامح ہو۔ کشف المحجوب اور بعض دوسری کتابوں میں "لہنور" یا لہانور پڑھا جاتا ہے[۱]۔

شاعروں نے ضرورت شعری کے عذر پر اس نام کو جو مروڑیاں دی ہیں، ان کی مختلف مثالیں ان کے کلام میں دیکھ سکتے ہیں ـــــ سردست یہ لکھنا کافی ہے کہ غزنوی اور غوری عہد میں یہ شہر زیادہ تر لوہور اور لہاور ہی مشہور تھا۔ پنجابی لہجہ تو آج بھی لہور تلفظ کرتا ہے۔

مسلم لاہور کا محل وقوع موجودہ شہر اور اس کے مضافات سے زیادہ مختلف اور بعید نہ تھا۔ دلیل اس کی، چند یقینی اور ظنی آثار ہیں۔ جو نو سو سال سے زیادہ زمانے کی کشمکش میں جھیل گئے۔ اور آج بھی تصور کو جولانی دے کر محمود و مسعود، ابراہیم و بہرام (غزنوی) کی بارگاہوں میں باریاب کرا دیتے ہیں۔ سگرا سے بزرگانِ دین کی کرامت سمجھئے یا ملتِ اسلامی کے ذوقِ روحانی پر محمول کیجئے کہ دُنیا کے اُن بڑے بڑے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے عالی شان قصور و محلات، مقابر و مآثر سب محو و بے نشان ہو گئے، باقی رہی تو ایک مہاجر و عزلت گزین درویش کی ڈھیری کہ گنج بخش کے نام سے آج بھی فیض کے موتی لٹاتی ہے۔ ان بزرگوار (شیخ علی ہجویریؒ) کی تاریخ وفات ۴۶۵ھ (مطابق ۷۳-۱۰۷۲ء) ہے۔ امیر ایاز کا انتقال ۴۴۹ھ (مطابق ۱۰۵۷ء) میں ۱۶ برس پیشتر ہوا اور موجودہ رنگ محل کے قریب اس کی قبر دکھاتے ہیں۔ مگر اس کی صحت پر پوری طرح وثوق ظاہر کرنا مشکل ہے[۲]۔

۱؎ مطبوعہ نسخوں میں اس کی صورت اور بھی بگڑی ہوئی نظر آتی ہے (مثلاً بہنور، بھنور وغیرہ طبع ۱۳۲۳ھ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور صفحہ ۲)، مگر مصنفؒ کا قول کہ "من اندر دیار ہند در بلدہ لہنور کہ از مضافات ملتان ہست" اس اعتبار سے لائق لحاظ خیال کیا جائے گا، اس وقت یعنی ۴۶۵ھ کی طرح تک لاہور اتنا کم معروف تھا کہ پتہ دینے کے لئے "از مضافات ملتان" لکھنا ضروری ہوا۔ کشف المحجوب کے نفیس روسی نسخے (طبع لینن گراڈ ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) میں یہ جملہ متن میں شامل نہیں کیا۔ دوسرے نسخوں کے حوالے سے ذیلی حاشیے میں چھاپ دیا ہے۔ صفحہ ۱۱

۲؎ اس قبر کے بارے میں ہم عصر یا قریب العصر شواہد نہیں ملتے۔ پھر اسی نام یا عرف "ایاز" کے دو ایک اور امیر بھی شمسی سلاطین کے زمانے میں لاہور آئے۔ اگرچہ فخر الدین ایاز کبیر خان جس کا بعض انگریزی تاریخوں میں نام لیا گیا ہے، آخر میں ولایت لاہور سے ہٹا دیا گیا اور ہمیں معلوم ہے کہ اُچھ میں فوت ہوا۔

جتنا داتا صاحبؒ کے مزار کو حاصل ہے۔ اگلی صدی کی چند قبریں زنجانی بزرگوں سے منسوب ہیں جن کا تذکرہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

لیکن ساتویں صدی کے بالکل ابتدائی سنین میں قطب الدین ایبک نے وفات پائی (۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء) وہ پاکستان و ہند کا پہلا آزاد مسلم سلطان تھا اور شاید انہی میدانوں میں جہاں اب یونی ورسٹی کے لڑکے گیند بلا کھیلتے ہیں، چوگان کھیلتے میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔ قبر آج تک پرانے لاہور کی حدود کا اشارہ کرتی ہے۔ مؤلف تحقیقات چشتی نے "معمر لوگوں سے سُنا کہ وہاں سنگِ مرمر کا دو منزلہ گنبد نہایت پُرشکوہ بنا تھا۔ سکھوں نے اپنی چند روزہ حکومت میں پتھر کی خاطر تُڑوا دیا۔ قبر ہنوز انارکلی بازار کی ایک گلی میں ملتی ہے۔ بہرحال یہ دو قبریں دَورِ غزنوی و غوری کے اوّل و آخر کی نشانیاں جنھیں لاہور نے ابھی تک کلیجے سے لگا رکھا ہے۔

مطبوعاتِ مجلس ترقی ادب

تعارفِ جدید سیاسی نظریہ	مترجمہ عبد المجید سالک و عبد الحی	۲—۱۲—۰۰
غیب و شہود	مترجمہ سید نذیر نیازی	۳—۴—۰۰
حکمتِ قرآن	مصنفہ محمود مختار ترجمہ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	۱—۰—۰
دولتِ اقوام	ترجمہ عطاء اللہ و فخری	
فلسفہ شریعتِ اسلام	مترجمہ شیخ عنایت اللہ و محمد احمد رضوی	۵—۰—۰
نظامِ معاشرہ اور تعلیم	مترجمہ عبد المجید سالک و عزیزنہ	۴—۰—۰

ملنے کا پتہ:- سکریٹری مجلس ترقی ادب۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور